

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ
مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ (۱۲۵)
فتنے میں ڈالے جاتے ہیں۔ پھر بھی باز نہیں آتے۔

جب اللہ ہر سال ان کو ایک دو بار فتنہ میں ڈالتا ہے تو کیا زندگی میں دوبار عذاب نہیں دے سکتا۔ پھر کیسے ثابت ہوا کہ دوسرا عذاب برزخ میں ہوگا۔ اس قسم کی دلیلیں پیش کرنے سے جن کو خود اپنے نفس میں سوچ کر انسان سمجھ سکتا ہے کہ ان سے مدعا ثابت نہیں ہوتا محض بیکار دلائل کی تعداد بڑھاتا ہے اور کچھ نہیں۔ (۲۲)۔

جواب بحث

۱۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ مردہ پھر دنیا میں آسکتا ہے؟ اصل آیت پر تو غور کیجیے۔ مرنے والا دنیا میں واپس آنا چاہتا ہے۔ اس کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ ”ہرگز نہیں۔ اب واپسی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس کے آگے برزخ ہے“ اس دن تک کے لیے جب کہ سب مردے اٹھائے جائیں گے“ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ برزخ جس طرح مردے اور قیامت کے درمیان حائل ہے اسی طرح مردے اور دنیا کے درمیان بھی ہے؟ مگر غضب تو یہ ہے کہ آپ آیت کے الفاظ ہی پر نہیں خود اپنے الفاظ پر بھی غور نہیں فرماتے۔ آپ خود فرما رہے ہیں کہ ”برزخ کے دونوں حدود متعین کر دیے گئے ہیں کہ وہ مرنے والے کی موت سے لیکر حشر تک ہے“ اس کے صاف معنی اس ہیں کہ برزخ کی ابتدا حد انسان کی دنیوی موت ہے اور آخری حد آخرت کی زندگی۔ جب آخری حد امیت اور حیاتِ اُخروی کے درمیان آڑ ہے تو ابتدائی حد امیت اور حیاتِ دنیوی کے درمیان آڑ کیسے نہ ہوئی؟

(۲) ہم بھی مانتے ہیں کہ قیامت کے دن سب کی یکجا حاضری ہوگی اور اس لیے ہوگی کہ سب کے اعمال کا حساب لے کر ان کا فیصلہ کیا جائے لیکن اس مجموعی حاضری کے ذکر سے یہ نتیجہ آپ نے کئے کیا لیا کہ اس سے پہلے فرداً فرداً باوقات مختلفہ جو لوگ مرتے رہتے ہیں وہ خدا کے پاس حاضر نہیں ہوتے اور اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں؟ آپ نے اس نظریہ پر ایک بہت بڑی عمارت اٹھائی ہے لیکن قرآن اس نظریہ کی تائید نہیں کرتا۔ اس کا بیان تو یہ ہے کہ نفس اپنی مدت حیات ختم کر کے خدا کی طرف پلٹتا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا مرجع ہی نہیں ہے۔

فَنَفْسٌ ذَاثِقَةٌ ۚ الْمَوْتِ تُعْرَضُ لِنَا رَبِّ جَعْلُونَ (۶:۲۹) ھُوَ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَإِلَیْہِ تُرْجَعُونَ (۶:۱۰) جو شخص مرتا ہے وہ خدا ہی کے پاس جاتا ہے کہیں اور نہیں جاتا موت بجز اس کے کچھ نہیں کہ خدا نے جس جان کو جسم میں ڈالا تھا اسے وہ واپس لے لیتا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ یَتَوَفَّیْ اُلْاَنفُسَ حَیْنَ مَوْتِہَا وَ اَلَّتِیْ کُوْنَتْ فِیْ مَنَا مِہَا فِیْمَسَاکِ اَلَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیَرْسِلُ اِلَیْہِ الْاُخْرٰی (۵:۳۹) یہ جان جو جسم سے نکلتی ہے تو خدا ہی کے پاس جاتی ہے قُلْ یَتَوَفَّکُم مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُونَ (۳۲:۱) لہذا اس خیال کی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ زوہیں وفات پانے کے بعد اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھی جاتی ہیں۔

اسم ایک ہی سطر اوپر جو کچھ آپ فرما چکے ہیں، یہ بات اس کے خلاف ہے جمیع لَدَیْنَا مُخْضَرُونَ اور اس کی ہم معنی آیات کا اگر وہی مفہوم ہے جو آپ بیان فرما رہے ہیں، تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ قیامت سے پہلے کسی کی بھی پشی نہ ہو اس لیے کہ ان آیات میں جو کچھ کہا گیا ہے، کلیتہً کے ساتھ کہا گیا ہے، اور اس کلی حکم میں کسی کا استثناء نہیں کیا گیا ہے۔ پھر جب آپ کے اعتقاد کے مطابق یہ کلیتہً بن گیا کہ پروردگار کے سامنے حاضری کا دن قیامت ہے اور اس سے پہلے حاضری نہیں ہو سکتی، تو قیامت سے پہلے شہدار کا ”عِنْدَ رَبِّہِمْ“ پہنچ جانا یقیناً اس کے خلاف ہوگا۔ اگر

فی الواقع اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا وہی مقصود ہوتا جو آپ نے اس کی طرف منسوب کیا ہے تو جہاں جہاں یہ کلمی حکم بیان کیا گیا ہے وہاں اِلَّا الَّذِیْنَ قَتَلُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یا کچھ اور کبکبر شہداء کا استثناء ضرور کر دیا جاتا۔

(۴۴) 'ان میں روئیں بھی پھونکی نہ گئی تھیں' یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ آپ نے میری جو عبارت خود نقل کی ہے اس کو پھر غور سے پڑھیے اور دیکھیے کہ کیا اس کا وہی مفہوم ہے جو آپ نے سمجھا ہے؟ میرا تو واضح مطلب یہ ہے کہ جب روئیں جسموں میں پھونکی نہ گئی تھیں اس وقت بھی وہ اس معنی میں مردہ نہ تھیں کہ ان میں سمع و نطق اور علم و شعور نہ تھا، بلکہ اس حالت میں انسان پر موت کا لفظ صرف اس معنی میں بولا گیا ہے کہ اس کی روح اس کے جسم سے علیحدہ تھی۔ روح بجائے خود زندہ ہے۔ اس میں کسی اور روح کے پھونے جانے کی ضرورت نہیں۔ خود جسم میں بھی زندگی نفع روح ہی سے ہوتی ہے۔ سمع و بصر، نطق و شعور دراصل روح کے اوصاف ہیں نہ کہ جسم کے جسمانی اعضاء تو روح کے لیے محض آلات ہیں جن سے اس کے اوصاف ظہور ایک خاص طور پر ہوتا ہے۔ اگر یہ آلات نہ ہوں تب بھی روح ایک دوسرے طور پر دیکھ اور سن سکتی ہے، بول اور سمجھ سکتی ہے۔ دیکھنا، سننا، بولنا اور سمجھنا اگر صرف جسمانی کان، آنکھ، دماغ اور زبان پر منحصر ہو، اور ان کے بغیر یہ اوصاف کسی میں متحقق نہ ہو سکتے ہوں، تو آپ خدا کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ وہ آلات جسمانی کتنا ہے؟ یا آلات کے بغیر اوصاف سے عاری ہے؟

(۵) قرآن مجید کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی ذریت نکالی گئی، اللہ نے ان کے اوپر خود انہی کو گواہ بنا کر پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا ہاں ہم گواہی دیتے ہیں۔ یہ ایک دوسرا سوال ہے کہ ذریت کے نکالے جانے اور اللہ تعالیٰ سے ان کا سوال و جواب ہونے کی کیفیت کیا تھی لیکن اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے اتنا صاف ظاہر ہوتا ہے

کہ کسی نہ کسی طور پر ذریت نکائی گئی، اور اس سے سوال و جواب ہوا۔ اگر بات صرف اتنی ہوتی کہ اللہ کی معرفت انسان کی سرشت میں رکھ دی گئی ہے، تو اس مفہوم کو واضح طور پر ادا کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہ کیے جاتے جن کا وضع مفہوم یہ نہیں ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس معافی کو ادا کرنے کے لیے الفاظ کا اتنا ذخیرہ بھی نہیں جتنا خود آپ کے پاس ہے؟ یا آپ کا یہ خیال ہے کہ نفوذ باللہ حضرت حق کو کچھ پیچیدہ زبان ہی میں بات کرنے کی عادت ہے۔

۶) بعید نہیں کہ سموات و ارض اور پہاڑوں میں بھی ایک طرح کی حیات ہو جس کا علم ہم کو نہ ہو۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام بھی کرتا ہو جس کی کیفیت ہم سمجھنے سے قاصر ہوں۔ ہمارا اور آپ کا علم اور اس کے ذرائع محدود ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت غیر محدود ہے۔ ہم جن چیزوں کو مردہ، اولیٰ و گویائی سے بالکل عاری سمجھتے ہیں، ضروری نہیں کہ وہ حقیقت میں بھی ایسی ہی ہوں اور اگر وہ ایسی ہوں بھی تو اللہ ہر وقت ان کو سمع اور گویائی کی قوت بخش سکتا ہے۔ کائنات اور آنکھیں اور رکھالیں جن کو آپ گویائی کے ناقابل پاتے ہیں، یہی ایک وقت انسان کے ظلم گواہی دیں گی، اور جب انسان اس پر تعجب کرے گا تو وہ کہیں گی کہ اَنْطَقْنَا اللّٰہُ الَّذِیْ اَنْطَقَ نَحْلَ شَیْءٍ (ہم کو اس حد سے گویا کر دیا ہے جس نے ہر چیز کو گویا کیا۔ (۴۱: ۳)۔ زمین و آسمان کی اشیاء میں سے بہت سی چیزیں جن کے اندر آپ کے نزدیک حیات کا شائبہ تک نہیں، اللہ کی تسبیح کرتی ہیں، مگر آپ کے پاس وہ ذرائع نہیں جن سے آپ ان کی تسبیح سن اور سمجھ سکیں۔ وَ اِنْ تَنْزِیْلُ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَ لٰکِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ لِمُسَبِّحُوْہُمْ اَوْ کُوْنُ مِنْہُمْ اِلَّا اَنْ تَقُوْلَ سُبْحٰنَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰتٰہُمُ الذِّہْنَ وَ لٰکِنْ اَنْتُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْ ذٰلِکَ۔ (۱۷: ۸۵) اس مردہ زمین اور ان بے جان سموات کے متعلق آپ یہ گمان کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی کبھی خدا سے کلام کیا ہو گا۔ لیکن خدا ان سے کلام کر چکا ہے اور یہ اس کو جواب دے چکے ہیں۔ تَعٰوْا سُبْحٰنَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰتٰہُمُ الذِّہْنَ وَ لٰکِنْ اَنْتُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْ ذٰلِکَ۔ (۱۷: ۸۵)

دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَارِعَتَيْنِ (۲۰:۲۱)
 آپ ان سب کی تاویل کر سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کے جس سچے اور کامل علم کے
 ساتھ کلام فرماتا ہے وہ علم ہم کو حاصل نہیں ہے، اور اپنے ناقص و محدود علم کی بنیاد پر ہم اس کے
 کلام کی جو تاویلات کرتے ہیں ان کی حقیقت اندھیرے میں نشانہ بازی کرنے سے کچھ بھی زیادہ نہیں
 (۱۷) اس سے پہلے میں اس بنیاد کو پھر حکم کیا جا چکا ہے، لہذا میرے چڑھائے ہوئے ردے بدستور
 قائم ہیں۔

(۱۸) مردہ کہہ رہا ہے کہ ”پروردگار مجھ کو واپس کر دیجیے۔ امید ہے کہ میں جو کچھ چھوڑ چکا ہوں اس میں
 نیک عمل کھود نکھا“ اللہ فرما رہا ہے کہ ”ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہے جو تو کہہ رہا ہے۔ اب تیرے گے
 ایک آڑھے اس دن تک جب کہ سب مردے اٹھائے جائیں گے۔“ لیکن آپ فرما رہے ہیں کہ نہیں
 مردہ ابھی وہیں ہے، جہاں وہ واپس آنے کی استدعا کر رہا ہے، اور ابھی اس نے وہ چیز چھوڑی
 نہیں ہے جس میں وہ نیک عمل کرنے کی امید رکھتا ہے، اور ابھی وہ آڑھائل نہیں ہوئی ہے جس
 کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں واپس کرنے سے انکار کر رہا ہے۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ ہم چہ
 کی بات مانیں یا اللہ کی اور اس شخص کی جس پر خود یہ کیفیت بیت رہی ہے؟

(۱۹) بلاشبہ بعض آیات کی آپ یہ تاویل بھی کر سکتے ہیں لیکن اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفَّيْنَاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي
 اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا اِنَّمَا كُنَّا فِيْ يَتَاوِيلٍ كَرْنَا كِه يَكْفُكُوْا قَبْضِ رُوْحِ كَا فَعْل پورا ہونے سے پہلے کی ہے
 تاویل کی حد سے گزر کر تعریف کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ لفظ تَوَفَّيْنَاهُمْ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ قبض روح
 کمال پورا ہو چکا اور میت سے فرشتوں کی گفتگو اس کے بعد ہوئی۔

(۲۰) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقین کا انجام بیان کرتے ہوئے پہلے وہ انعامات بیان کیے
 ہیں جو دار آخرت میں ان پر ہونگے، پھر یہ بتایا ہے کہ ایسے لوگوں پر خدا کے انعامات اسی وقت

شروع ہو جاتے ہیں جب ان کی رُوحیں قبض کی جاتی ہیں اور خدا کی طرف سے اس کے فرشتے اسی وقت ان کو سلامتی اور دخول جنت کا مژدہ سناتے ہیں۔ تَتَوَفَّاهُمْ کے بعد ہی بقولون کہنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبض روح کے ساتھ ہی ملائکہ یہ بات پرہیزگار لوگوں سے کہہ دیتے ہیں۔ اگر قبض روح کا فعل اس وقت ہو، اور ملائکہ کی یہ گفتگو قیامت کے وقت، تو اس مضمون کو ادا کرنے کے لیے وہ انداز بیان نہیں ہو سکتا جو قرآن مجید میں اختیار کیا گیا ہے۔ غالباً یہاں آپ پھر اپنے اس نظریے سے کام لیں گے کہ موت اور قیامت میں فصل زمانی نہیں ہے، اور مردے کے لیے قبض روح کا فعل اور قیامت کے دن ملائکہ کی گفتگو دونوں گویا ایک ہی وقت میں ہوتے ہیں لیکن اس نظریے سے آپ میرے مقابلہ میں اس وقت تک کوئی کام نہیں لے سکتے جب تک آپ میرے اُن اعتراضات کو رفع نہ کر دیں جو میں نے اس نظریے پر کیے ہیں جو چیز میرے نزدیک مسلم ہی نہیں ہے اس سے آپ میرے مقابلہ میں استدلال کیسے کر سکتے ہیں؟

(۱۱) جو لوگ قرآن فہمی کے اصول سے واقف ہیں وہ قیامت کے حال کو قیامت کا حال اور برزخ کے حال کو برزخ کا حال سمجھتے ہیں قرآن کے صاف و صیح بیان کے باوجود برزخ کے حال کو قیامت کا حال سمجھنا قرآن فہمی نہیں ہے۔

(۱۲) اس آیت کی بھی وہی تاویل ہے جو غلطی میں بیان کی گئی ہے۔ یہاں ظالمین کے عذاب آخرت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یہ عذاب ان پر قبض روح کے وقت ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ وَكُلُّهُمْ فِي يَوْمٍ ذَا قُرْبَىٰ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَايِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ (۸: ۷۷) اور وَكُلُّهُمْ فِي يَوْمٍ ذَا ظُلْمٍ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَايِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمْ (۱۱: ۶) سے اس تاویل کی تائید ہوتی ہے کہ ظالمین پر قبض روح کے وقت ہی سے سختیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

۱۳۱) مقتولین فی سبیل اللہ کے حق میں موت کی نفی اور حیات کے اثبات کی اصل غرض میں بیان کر چکا ہوں بشرکین کے سبب و دوس کے حق میں حیات کی نفی اور موت کے اثبات کی غرض بھی ظاہر ہے اس سے یہ بنا نامقصود ہے کہ تم قادر مطلق خدا کو چھوڑ کر ان بے چاروں کو کیا پچارتے ہو جو کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے ان کو اموات غیر احیاء کہنے کی غرض صرف ان کی بے چارگی اور عدم قدرت پر زور دینا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر وہ زندہ بھی ہوں تب بھی ان میں نہ کسی شے کو خلق کرنے کی قدرت ہو سکتی ہے اور نہ ان کے پاس یوم البعث کا علم ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی آیات سے آپ شہداء اور غیر شہداء کی موت دنیا کے درمیان کوئی اصولی فرق ثابت نہیں کر سکتے۔ شہداء کو زندہ کہنے کا مطلب اگر آپ یہ لیتے ہیں کہ عرف عام میں جس کو موت کہتے ہیں وہ ان پر طاری نہیں ہوتی تو ان کو دفن کرنا، اور ان کا ترکہ تقسیم کرنا اور ان کی بیویوں کا نکاح ثانی کرنا سب کچھ ناجائز ہوگا۔ لیکن اگر آپ تسلیم کرتے ہیں کہ جسمانی موت ان پر طاری ہوتی ہے، اور جس زندگی کا ان کے لیے اثبات کیا گیا ہے، وہ جسمانی نہیں بلکہ روحانی زندگی ہے، تو آپ نے گویا تسلیم کر لیا کہ قرآن مجید میں موت کا لفظ اس چیز کا مترادف نہیں ہے جس کو آپ مطلقاً مات کہتے ہیں اور جسمانی حیات کے سوا بھی کسی زندگی کو قرآن لفظ حیات سے تعبیر کرتا ہے۔ برزخ میں تمام مردوں کے لیے جو زندگی ہم ثابت کر رہے ہیں وہ یہی زندگی ہے، اور آپ قرآن مجید سے کوئی ایسی آیت پیش نہیں کر سکتے جو اہل برزخ کے حق میں اس زندگی کی نفی کرتی ہو۔

۱۳۲) قرآن کے انکار سے تو ہم ضرور لرزتے ہیں، مگر کسی انسان کے فرعونات سے انکار کرنے میں ہم کو لرزنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ آپ جو آیتیں اس وقت پیش فرما رہے ہیں اور جو اس پہلے پیش کر چکے ہیں، وہ زیادہ سے زیادہ یہی ثابت کرتی ہیں کہ اہل برزخ دنیا والوں کی بات نہ سن سکتے ہیں نہ ان کو جواب دے سکتے ہیں، اور نہ ان کے احوال سے واقف ہیں۔ اس کے

بعد یہ آپکا اپنا اضافہ ہے کہ اہل برزخ جب دنیا والوں سے بات چیت نہیں کر سکتے اور ان کے حالات کا علم نہیں رکھتے تو ان میں سرے سے بولنے اور سننے اور علم رکھنے کی قوت ہی نہیں ہے۔ قبل اس کے کہ آپ اپنے اس اضافے پر ہم کو ایمان لانے کی دعوت دیں، آپ کو قرآن سے اس کا ثبوت دینا چاہیے کہ اہل برزخ فی انفسہم سننے اور بولنے اور علم رکھنے کی قوتوں سے محروم ہیں۔ ورنہ جس طریقے سے آپ استدلال کر رہے ہیں، اس کی پیروی کر کے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ دہلی کی ساری آبادی مطلق عالم مہمات میں ہے، کیونکہ وہ نہ حیدر آباد والوں کی باتیں سن سکتی ہے، نہ ان کو جواب دے سکتی ہے، نہ ان کے احوال کا علم رکھتی ہے۔

اے آپ نے غور نہیں فرمایا کہ شہیدوں کے حق میں عِنْدَ رَبِّہُمْ رِزْقٌ کَثِیْرٌ کی تخصیص لینے کر دی ہے اس کو یہ دونوں آیتیں تمام ان لوگوں کے حق میں عام کر رہی ہیں، جہاد کی، امیں ہجرت کرتے ہیں، دنیا کی خدمت کرتے ہوئے وفات پاتے ہیں۔ جن آیات میں صرف مقتولین فی سبیل اللہ کے مدارج کا ذکر ہے ان میں یہ تو نہیں کہا گیا ہے کہ یہ مدارج انہیں کے لیے مخصوص ہیں، کسی دوسرے کو نہیں مل سکتے۔ جس وہاں اس کی نفی نہیں ہے، اور یہاں مقتولین اور غیر مقتولین دونوں کے مدارج کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے، تو ظاہر ہو گیا کہ خدا کے پاس حاضر ہونے، اور پسندیدہ منازل میں داخل کیے جانے، اور عمدہ رزق پانے میں ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا تقدم و تاخر نہیں ہے۔ تقدم و تاخر کا حکم آپ نے صرف اس بنا پر نکال لیا ہے کہ ایک گروہ کو اموات کہا گیا ہے اور دوسرے کو اُحْیَاءُ لیکن ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جسمانی موت کے اعتبار سے دونوں اموات ہیں۔ اور روحانی حیات کے اعتبار سے دونوں اُحْیَاءُ۔ البتہ ایک بڑی مصلحت سے مقتولین فی سبیل اللہ کو مردہ کہنے کی ممانعت کی گئی ہے اور ان کی حیات روحانی کا اثبات کیا گیا ہے جس سے نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ حیات روحانی صرف شہداء کے لیے مخصوص ہے اور ان کے سوا تمام انبیاء و صدیقین و صالحین

اس زندگی سے بالکل محروم ہیں۔

(۱۱۶) آپ نے یہ کیوں نہ سمجھا کہ اس سے قیامت کے روز ایسا کہا جائے گا، اور اسی روز وہ مسر بھی ہوگا؟ آپ برزخ کا غیر زمانی ہونا ثابت کر ہی چکے ہیں۔ اور حَاقِّ بِأَلِ فِرْعَوْنَ مَوءَ الْعَذَابِ اور اُغْرِقُوا فَاذْخِلُوا نَارًا میں ماضی کو مستقبل کا ہم معنی بھی قرار دے چکے ہیں۔ ان مراحل کو طے کر لینے کے بعد تو آپ کے لیے کوئی وجہ نہ تھی کہ اس مرد صالح کو شہید قرار دینے کے لیے اتنا تکلف کرتے۔

(۱۱۷) عربیت کے لحاظ سے علیین کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ یا تو اس سے مراد منازل عالیہ ہیں یا ان منازل کے رہنے والے، مگر موخر الذکر معنی زیادہ صحیح ہیں۔ اس لیے کہ یہ جمع ناطقین کے لیے مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علیین کو کتاب مرقوم فرمایا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ علیین وہ دفترے جس میں نیک لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح سچین کے بھی لغت میں دو معنی ہیں۔ قید خانہ یا قیدی۔ کتاب کو سچین کہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی کتاب ہے جس میں قیدیوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ بات عربیت کے لحاظ سے آپ کو کیوں عجیب معلوم ہوئی؟ رہا یہ سوال کہ نام درج ہونے کے ساتھ ابراہار و فجار کی روصیں بھی علیین و سچین میں داخل ہو جاتی ہیں، تو ثبوت قرآن میں موجود ہے حضرت ادریس کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (۱۹: ۵۴)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ادریس کا صرف نام ہی علیین میں نہیں لکھا گیا بلکہ ان کا ایک مقام بلند دے بھی دیا گیا۔ اسی طرح فجار و ظالمین کے متعلق بھی متعدد آیات نفل کی جا چکی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان منازل میں داخل ہو چکے ہیں جہاں ان کو عذاب دیا جاتا ہے اس مضمون کو سمجھانے کے لیے جو تئیل دی گئی تھی وہ استدلال کے طور پر نہ تھی بلکہ محض تفسیر کی غرض سے تھی۔

(۱۸) اس کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے مضمون ”برزخ کا ایک گوشہ“ میں جو بحث فرمائی تھی، اس کو دیکھ کر مجھے امید تھی کہ آپ مطمئن ہو جائیں گے، لیکن اس کے جواب میں آپ نے اپنے مضمون ”گوشہ برزخ“ میں جو کچھ فرمایا ہے اسے دیکھ کر معلوم ہو گیا کہ جب انسان ایک خاص خیال لیکر قرآن میں گھستا ہے، تو وہ آیات میں کیسے کیسے تصرفات کرتا ہے۔ آیت زیر بحث میں صاف طور پر پہلے سورۃ العذاب کا اور پھر اشد العذاب کا ذکر ہے، اور سورۃ العذاب کا حال بیان کرنے کے بعد قیام ساعت اور اشد عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ سب کچھ قیامت ہی کا حال ہوتا، اور ایک ہی عذاب کے متعلق ہوتا تو جو الفاظ آیت میں وارد ہوئے ہیں وہ بالکل خلاف بلاغت ہوتے لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ یہ نظریات قائم کر چکے ہیں کہ اہل برزخ میں حیات نہیں ہے، اور ان میں زمانہ کا احساس نہیں اور وہ کسی قسم کے عذاب یا ثواب سے اثر پذیری کی صلاحیت نہیں رکھتے اب جو آیت بھی آپ کے سامنے ایسی پیش کی جائے گی جو آپ کے ان نظریات کا ابطال کرنے والی ہو، اس کو دیکھ کر آپ اپنے نظریات میں ترمیم نہ کریں گے، بلکہ آیت کے صاف مفہوم کو ان نظریات ہی کے مطابق بنانے کی کوشش کریں گے۔

(۱۹) دلائل کا یہ جواب تو کوئی معقول جواب نہیں ہے۔ آپ کے نظریات پر میرا اصلی اعتراض تو یہی ہے کہ ان کی تائید میں آپ نے قرآن مجید کی تصریحات پیش نہیں کیں، اور جو آیات پیش کی ہیں وہ آپ کے نظریات ثابت نہیں کرتیں۔ برعکس اس کے میں نے خود قرآن ہی کی آیات پیش کر کے آپ کے ان نظریات کا ابطال کیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر آپ میرے جواب میں یہ آیت پڑھیں تو مجھ کو بھی یہ آیت پڑھنی پڑے گی کہ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ وَهُمْ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ۔ (۹:۲)۔

(۲۰) آپ نے میری پوری عبارت نقل نہیں کی میں نے اس فقرے کے بعد یہ لکھا تھا کہ ”ان میں دنیا

آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر اسی طرح ایک واقعہ کے طور پر کیا گیا ہے جس طرح بعض دوسری آیات میں برزخ کی زندگی اور اس کے عذاب و ثواب کا ذکر بطور واقعہ آیا ہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ جن آیات میں صرف دنیا اور آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر ہے ان سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ دنیا و آخرت کے سوا کسی جگہ عذاب و ثواب نہیں ہے، اس لیے کہ ان آیتوں میں کہیں اس امر کی تصریح نہیں کی گئی ہے کہ عذاب و ثواب صرف دنیا و آخرت میں ہے، اور ان دونوں کے بیچ میں نہیں ہے۔ وہ قرآنی دلائل جن سے آپ نے برزخ کی زندگی اور اس کے عذاب و ثواب کا عدم امکان ثابت کیا ہے، تو ان دلائل کا قرآنی دلائل ہی ہونا ہمارے اور آپ کے درمیان زیر بحث ہے۔ بجائے اس کے کہ آپ ہمارے اعتراضات رفع کر کے ان کا قرآنی دلائل ہونا ثابت کرتے، آپ اپنے دعوے ہی کو دلیل میں پیش فرما رہے ہیں۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اصطلاح منطق میں اس طرز اسات لال کو کیا کہتے ہیں۔

۲۔ شہدار کے مسئلہ میں آپ کے مسلک پر جو اشکال وارد ہوتا ہے اس کو آپ بے محل کپکپ کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ وہ نہ صرف بے محل بلکہ آپ کے خلاف ایک قوی اعتراض ہے۔ قرآن میں ایک طرف تمام مردوں کے متعلق کہا ہے کہ وہ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور اسی روزان کے اعمال فصلہ ہوگا۔ دوسری طرف یہ بھی تمام مردوں کے متعلق کہا ہے کہ یوم البعث تک وہ برزخ میں ہیں۔ جہاں جہاں دونوں باتیں کہی گئی ہیں وہاں کسی کے استثناء کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام مردے دلوں کی طرح شہداء بھی قیامت تک برزخ میں ہیں، اور قیامت سے پہلے ان کے لیے کوئی جدا گانہ نہیں ہے۔ اب جو قرآن کہتا ہے کہ وہ رب کی حضور میں ہیں، اور ان کو رزق ملتا ہے، گویا محالہ یہ حضور اور رزق اسی برزخ میں ہوگا۔ اس سے آپ کے تمام نظریے باطل ہو جاتے ہیں، یعنی اہل برزخ کا باطل ہونا، رب کی حضور سے آرز میں رہنا اور عذاب و ثواب دونوں سے محفوظ اور محروم رہنا۔

(۲۲) جس طرح دلیل پیش کرنے سے پہلے خود اپنے نفس میں سوچ لینا ضروری ہے اسی طرح دلیل کا رد کرنے سے پہلے بھی انسان کو اپنے نفس میں سوچ لینا چاہیے۔ آپ نے جواب میں جو آیت پیش کی ہے۔ اس کے مضمون پر اگر آپ غور کر لیتے تو آپ کو خود معلوم ہو جاتا کہ اس سے آپکا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار فتنے میں ڈالے جاتے ہیں اب اگر سَنُعَذِّبُھُمْ مَرَّتَیْنِ میں عذاب سے مراد یہی فتنہ میں ڈالنا ہے تو صرف مَرَّتَیْنِ (دو بارہ) کی قید لگانے کے کیا معنی؟ اس سے تو لازم آتا ہے کہ جن کے حق میں سَنُعَذِّبُھُمْ مَرَّتَیْنِ کہا گیا ہے وہ زیادہ سے زیادہ ایک سال زندہ رہتے حالانکہ واقعہ نہیں ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں جس چیز کو عذاب کہا گیا ہے وہ بعینہ وہ چیز نہیں ہے جسے دوسری آیت میں فتنہ کہا گیا ہے۔ بلکہ دراصل زندگی کے تمام فتنوں کا مجموعہ ایک مرتبہ کا عذاب ہے۔ اس کے متصل (اور اتصال پر صرف اس دلالت کرتا ہے) دوسرا عذاب برزخ کا ہے، اور اس کے بعد عذاب عظیم سے مراد قیامت کا عذاب ہے۔

فصل فونشن پن

سینیر ۷۸۶ جو نیر ۱۱۱

نیا اسٹاک اچکا ہے

خوبصورت پائدار قیمت واجب علاوہ اس کے سامان ایشیائی
وکا نڈ وغیرہ خط و کتابت سے طلب فرمائیے
فدا علی محمد علی تاجر کاغذ پتھر می حبید را باؤکن